OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com DOI: 10.5281/zenodo.10513001

اقبال کا مردِ مومن اور اکیسویں صدی

Iqbal,s "Mrd-e-Momin" and 21st Century

Syeda Tayyba Rubab
Assistant Professor, Department Urdu Graduate college for women,Karkhana Bazar, Faisalabad

Dr. Saima Iqbal
Assistant Professor, Department Urdu Govt college University, Faisalabad

Dr. Parveen Akhtar Kullu
Associate Professor, Department Urdu Govt college University, Faisalabad

Received on: 04-07-2023 Accepted on: 06-08-2023

Abstract

The inspiration of Iqbal about "Murd-e-Momin" is as much imperative and applicable in twenty first century as it was in twentieth century.Iqbal is a universal poet, if hid ideas are seenin the context of 21ist centure,they are as much needed today as they were in the 20th centure.Iqbal has given the concept of true freedom of man. According to him, the individual and the nation are independent and free.No one has the right to violate the rights of another nation."Murd-e-Momin" has the power to conquer the universe. He is the caliph of God in this universe. He will replace the injustice with justice in this world. The Kings of this globe are just the slaves of his Kingdom and all the world is under his command. Iqbal is waiting for such a "Murd-e-Momin". The cure for such a deprived humanity is available with "Murd-e-Momin". In this article, the attempt has been made to enlighten his good aspects.

Keywords: Universal, Human Liberty, 21st Century, Moderation, Super Man, Revolutionary, Refusing Power, Dignity, Secret, Material, Conquest

کلیدی الفاظ: آفاقی، انسانی آزادی، اکیسویں صدی، تجدید، مرد کامل، انقلابی، قوتِ لا، عظمت، اسرار، مادی، تسخیر۔

اقبال آفاقی شاعر ہیں ان کے نظریات کو اکیسویں صدی کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج بھی ان کی اسی قدر ضرورت محسوس ہوتی ہے جتنی کہ اس وقت بیسویں صدی میں تھی۔ اقبال نے انسان کی حقیقی آزادی کا تصور دیا ہے ان کے ہاں فرد اور قوم خود مختار اور آزاد ہیں۔ کسی کو دوسری قوم کے حقوق پامال کرنے کا حق نہیں۔ آج جب کہ غالب اقوام دوسری اقوام بالخصوص ملت اسلامیہ کا استحصال کر رہی ہیں تو ایسی صورتِ حال میں اقبال کے نظریات پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ اقبال کا نظریہ خودی جو انسان کامل پیدا کرتا ہے۔ اکیسویں صدی میں اس کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب انسانیت ارزاں ہو گئی ہے۔ مسلم خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ انسانیت کے دعوے دار در حقیقت انسانیت سے بے بہرہ ہیں۔ ایسے میں انسانِ کامل ہی دنیا کو عدل و انصاف فراہم کر سکتا ہے۔ اقبال کا انسان کامل اپنی قوت عمل کے

باعث تسخیر کائنات کی طاقت رکھتا ہے۔ دنیائے عالم کے تمام مسائل کا حل اسی کے وجود سے منسلک ہے۔ اس کے بغیر انسانیت سکون نہیں پا سکتی۔ اقبال انسان کامل کو مردِ حر، مردِ مومن، مردِ آزاد، مردِ آفاقی، مردِ قلندر جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔ اقبال کا مردِ مومن یا انسانِ کامل کمالِ انسانیت کے درجے پر فائز ہے۔ ''انسانِ کامل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اعجازِ عمل سے تجدید حیات کرتا ہے۔ اس کی فکر زندگی کے خواب پریشاں کی نئی تعبیر پیش کرتی ہے۔''[(1)] وہ نہ صرف پرانی فرسودہ دنیا کی خدمت کرتا ہے بلکہ نئی دنیاؤں کی تعمیر بھی کرتا ہے۔ اس سلسلے جو مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ ان کو بہ خندہ پیشانی برداشت کرتا ہے۔[(2)] ''اقبال کا مردِ مومن وہ مثالی انسان ہے جو دنیا میں سب سے بلند مرتبت ہے اور ان کے نظریۂ خودی کے ارتقا کی آخری کڑی ہے''[(3)] انسان کامل ہی نائب خدا اور خلیفۃ اللہ ہے۔ وہ ان تمام اوصاف و کمالات سے متصف ہوتا ہے جو مشیت الٰہی میں اس کے لیے امانت رکھے گئے ہیں اور جن کی بدولت انسان کو احسنِ تقویم کے معزز لقب سے نوازا گیا''[(4)] ''اقبال نے اپنی شاعری میں ایسے مردِ مومن کا تصور پیش کیا ہے جو رزمِ حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت ہے اور حلقہ یاراں میں، اَبریشم کی طرح نرم۔ وہ جلال و جمال دونوں کا آئینہ بھی ہے اور اربابِ ذوق کا ساقی اور میدانِ شوق کا فارس بھی۔''[(5)] فطرت اسی انسانِ کامل کی تلاش میں ہے، جو انسانیت کو عزّوشرف کی منزل تک لے جاسکے، اور دینِ اسلام کو تمام ادیانِ پر غالب کرنے کا سبب بن سکے۔

آج مسلمان قوم حق سے دور اور غیر سے مرعوب ہے۔ اسی باعث یہ قوم جیتے جی مر گئی ہے لیکن اسے اپنی موت کا شعور و احساس تک نہیں۔ یہ اب بھی روحانی بیداری اور ترقی و ترفع سے بے بہرہ، مادی منصوبہ بندیوں میں مگن ہے اور مادے کی قسمت ہی موت ہے۔ یہ روح ہے جو امر ربی ہے جسے موت نہیں آتی۔ افراد کا روحانی ارتقا ہی قوم کی بقا کا واحد ضامن ہے اور مردِ مومن انسانیت کا واحد نجات دہندہ اقبال لاالہ الااللہ کی رمز کو مردِ مومن کے ذریعے آشکار کرتے ہیں کہ مردِ مومن کی تیغ لا جلال کی مظہر ہے جس کے ذریعے وہ تمام معبودانِ باطل کا انکار کرتا چلا جاتا ہے اور غیر کے بتوں کو پاش پاش کرتا ہے خواہ یہ بت اس کی خواہشات کے ہوں یا ماحول کے، انفرادیت سے اجتماعیت تک ہر معبود باطل کا انکار اس کی صفتِ جلال کے باعث ہے اس کے بعد الااللہ کی منزل آتی ہے۔ معبودانِ باطل کا انکار معبودِ حق کے اقرار سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ اس کی صفتِ جمال ہے غیر کے انکار سے مردِ مومن دامانِ حق سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ حریر و پرنیاں کی مانند نرم و نازک ہے اور اللہ کی شان دلبری کا امین ہے۔ یہ اپنی صفات جلال و جمال سے قوم کی راہنمائی کرتا ہے۔ انھی صفات سے وہ کائنات کا احتساب کرتا ہے کہیں اس کی صفتِ قاہری کار گر ہوتی ہے تو کہیں شانِ دلبری، انھی صفات کے باعث کائنات کے سربستہ راز اس پر آشکار ہوتے ہیں۔ لا اور الا۔ انکار اور اقرار یعنی جلال و جمال کی صفات اس کائنات کی تقدیر ہیں جو اللہ کی صفت کن فیکون سے ظہور میں آئی ہیں۔ مردِ مومن راز کن فکاں ہے اس کا انکار حرکت اور اقرار سکون کا باعث ہے۔ یہی جنگ و امن منشاء الٰہی ہے، جس کا مقصود قیامِ عدل ہے۔ لا اور الا لازم و ملزم ہیں۔ معبود واحد سے وابستگی کے بغیر غیر اللہ کا انکار ممکن نہیں اور باطل سے نبرد آزما ہو کر دامانِ حق میں ہی سکون مل سکتا ہے۔ یہ ایسی رمز ہے جس کے عرفان کے بغیر باطل قوتوں کو زیر کرنا ممکن نہیں۔ مردِ مومن اپنی زندگی کا آغاز لا سے کرتا ہے۔ جو قوم ایک لمحے کے لیے بھی باطل قوتوں کا انکار کرتی

ہے۔ گویا وہ اپنی مٹی سے نیا جنم لیتی ہے۔اپنی دنیا آپ پیدا کرنا اور پرانے وجود سے انقلابی وجود کو جنم دینا بھی اقبال کا محبوب موضوع ہے۔

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے(6)

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی(7)

گویا اپنا جہاں پیدا کرنے کے لیے باطل قوتوں کا انکار ضروری ہے۔اسی باعث زندگی کو حرارت ملتی ہے اور پیکارِ حیات کا سفر جاری رہتا ہے۔ یہی حقیقی زندگی کا آغاز ہے اسی باعث کائنات میں رونق ہے۔اقبال کا تصورِ عشق یہی سوز و حرارت ہے جو خون کو گرما کر گرم سفر رکھتی ہے۔ یہ عشق ہر کسی کو عنایت نہیں ہوتا۔عام انسان تو راہِ عشق میں خس و خاشاک کی مانند ہے۔ عشق صرف مردِ مومن کے دل میں جگہ پاتا ہے اور اس جذبے کے باعث وہ راہ نشینوں کو راہبر و بنا دیتا ہے۔یعنی جو تھک ہار کر گردِ سفر ہو رہے تھے۔انھیں عشق کی حرارت عطا کر کے مائل بہ سفر کرتا ہے۔اس سفر میں باطل قوتوں کا انکار ایسا طاقت ور ہتھیار ہے جو غلام کو آقا کے ساتھ بھڑا دیتا ہے یعنی تیغ ''لا'' کسی بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتی ''لا'' آگ خس و خاشاک کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔اس کی ہیبت کے سامنے تمام طاقتیں خس و خاشاک کی مانند ہیں۔ مردِ مومن کی ہیبت تو قیامت سے بھی بڑھ کر ہے جو مقام لاالہ پر بجلی کی مانند پے در پے حملے کرتا ہے۔اس کی ضربِ کلیمی موجود کو لا موجود بنا دیتی ہے۔وہ فنا کے بھنور سے آزاد ہو کر بقا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔اقبال عربوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ کس طرح لاالہ کے باعث دنیا پر غالب آگئے اور ان صحرا نشینوں نے پوری دنیا میں اسلام کا چراغ روشن کر دیا۔ان کی ہیبت سے بڑی بڑی طاقتیں لرز اٹھیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدر فقرِ بوذر صدقِ سلمانی(8)

اس دور میں فرنگیوں نے ساری دنیا کو غلام بنانے کی کوشش کی تو غلام اور آقا میں جنگ چھڑ گئی۔اس لیے کہ لاالہ اس کائنات کی رمز ہے۔ حق و باطل کی پیکار جاری و ساری ہے۔اقبال روس کے انقلاب کا بھی ذکر کرتے ہیں جس نے حرف ''لا'' سے شاہی سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور ہر طاقت کا انکار کر دیا لیکن اس کی بد قسمتی یہ تھی کہ اس نے خدا کا بھی انکار کر دیا اور لاالہ کے بعد الااللہ کی منزل روسی قوم نہ پا سکی۔ ورنہ یہ ایک مثالی سلطنت ہوتی۔ یہ قوم لاالہ کے گرداب میں ہی پھنس کر رہ گئی اور سکون سے ہمکنار نہ ہو سکی۔اقبال باطل قوتوں کے انکار اور انسانی حقوق کی آواز کے باعث اشتراکیت کے واصف رہے لیکن اس قوم کو چونکہ کوئی مردِ مومن میسر نہ تھا۔اس لیے نفی سے اثبات کا سفر نہ کر سکی۔ کامیابی کے لیے نفی و اثبات لازم و ملزوم ہیں یہاں دینِ اسلام کی حقانیت عیاں ہو جاتی ہے۔ جس نے لاالہ اور الااللہ کے انعامات سے انسانیت کو نواز کر اس کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔اس کلمے کے دونوں حصوں پر عمل پیرا ہو کر مردِ مومن تسخیر کائنات کے باعث اپنی قوم کو

اقوامِ عالم پر غالب کر سکتا ہے۔
اقبال کا فقر خانقاہی درویشی سے مختلف ہے یہ فقر اختیاری ہے۔ صرف انسان کامل ہی اس شان فقر کا حامل ہے۔

قلب اوراقوت از جذب وسلوک
پیشِ سلطاں نعرۂ اور ''لاملوک''(9)

مردِ درویش کی بصیرت، زندہ دل اس کا فکر و عمل اور سکون و حرکت، اس کا ذوق و شوق اور تسلیم ورضا اس کی شان بے نیازی اور قوت پرواز، اس کا رعب و دبدبہ اور جنوں عشق، یہ سب اقبال کے انسان کامل کی صفات ہیں۔ یہ متاع فقر، میراثِ مصطفی ﷺ ہے۔ زورِ حیدرؓ اور تکبیر حسینؓ کی امین ہے۔ شاہ و گدا مردِ فقیر کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں۔ شانِ فقر جَو کی روٹی کھا کر خیر شکن قوت رکھتی ہے۔ اس کے سوز و تب و تاب کے سامنے بڑے سے بڑی مادی طاقت ٹھہر نہیں پاتی۔ اس کی روح لطیف شکم پروری سے اجتناب کرتی ہوئی روح کل کے ساتھ اس طرح متصل ہو جاتی ہے کہ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور جب یہ ہاتھ درِ خیبر کو فصیلوں سے اکھاڑ کر ایک ہی جھٹکے میں الگ کر دیتا ہے تو اس کے اندر خدائی قوت کار فرما ہے۔
یہ قوت و طاقت مردِ مومن کو تزکیۂ نفس اور ضبط نفس کی بدولت میسر آتی ہے جو کہ جبلی شجاعت سے کہیں بلند و بالا ہے۔ اقبال فقر حیدری کو پسندیدہ اور قابلِ تقلید گردانتے ہیں۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی(10)

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوت حیدری(11)

بانگِ درا سے بالِ جبریل اور مثنوی پس چہ باید کرد تک اقبال کے ہاں فقر حیدری کا ذکر تواتر سے ملتا ہے۔ فقر کا سرمایہ حیات قرآنِ مجید ہے یہ فقیر فرشتوں اور قدرت کی پوشیدہ قوتوں کو شکار کرتا ہے اور صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ بحر و بر اس کی شانِ بے نیازی سے لرزہ براندام ہیں۔ تحت شاہی اس کی شان و عظمت سے دہل جاتے ہیں۔ صاحبِ فقر کم گو ہے، اس کی قوتِ عشق بے پروں کو اذنِ پرواز دیتی ہے۔ اس کی نگاہ کائنات کو زیر و زبر کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ یہ مخلوق کو ظلم سے نجات دلاتا ہے بے شک فقر صحرا نشینی کو پسند کرتا اور عزلت گزین ہے لیکن اس کی

قوتِ عمل سے لرزیدہ طاقت ور، کمزور کا حق چھیننے کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ نظام سلطنت کو تہہ و بالا کر دیتا ہے اور اللہ کے سوا کسی طاقت کو نہیں مانتا۔ سلطان کے سامنے ''لاملوک'' کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ یہ قوت اور شانِ قلندری اس نے جذب و سلوک سے پائی ہے۔ یہ اللہ کے رازوں کا امین ہے اور باطن کی پاکیزگی کے باعث خودی کی منازل طے کرتا ہوا اللہ کا مقرب بن چکا ہے۔ اس کی گرمی و حرکت سے ہماری خاک حرارت پکڑتی ہے اور پیکر خاکی میں روح کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ اس کا ادنیٰ مادی دنیا کے اعلیٰ پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جس قوم میں کوئی صاحب فقر ہو وہ کبھی جنگ میں مغلوب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ انسان کامل ہے اور کائنات پر تصرف رکھتا ہے۔ اس کی شانِ بے نیازی ملت کی آبرو ہے۔ اس کا ذوق و شوق قوم کے مردہ تن میں سوز و حرارت پیدا کرتا ہے۔ اس کی قوتِ عشق کے باعث ملت فتح مبین سے ہمکنار ہوتی ہے۔ یہی فقر شیشے کو الماس بناتا ہے۔ دین کی طاقت کا دار و مدار اسی فقر پر ہے۔

حکمتِ دیں دل نوازی ہائے فقر
قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر (12)

اقبال ساری کائنات کو مومن کی میراث سمجھتے ہیں۔ دلیل میں فرمانِ رسولؐ سے کسبِ فیض کرتے ہیں کہ تمام روئے زمیں میرے لیے مسجد ہے۔ جہاں مسلمان اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ سجدہ جو مومن کی معراج اور تمام معبودانِ باطل کا انکار ہے۔ اب یہ مسجد اسے میسّر نہیں بلکہ غیروں کے قبضے میں ہے۔ مردِ مومن کا فرض ہے کہ اپنے آقاؐ کی مسجد یعنی تمام روئے زمین کو غیروں سے آزاد کروا کے اس میں سجدے کا اہتمام کرے تاکہ خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز ہو کر انسانیت غیر اللہ سے نجات پانے کا ثبوت فراہم کر سکے۔ یہ مردِ مومن کی ذمہ داری ہے وہ قوم کا مسیحا ہے ملت سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ اقبال اپنے تصور فقر کو واضح کرنے کے لیے خانقاہی فقر کی نفی کرتے ہیں جو کہ رسمی فقر ہے اور ترکِ دنیا کی ترغیب دیتا ہے جب کہ اقبال دنیا سے بے نیاز ہونے کو ترک دنیا سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مومن دنیا سے منہ نہیں موڑتا بلکہ دنیا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس پر غلبہ پالیتا ہے اور پھر دنیا کا نظام اللہ کی رضا کے مطابق چلاتا ہے۔ اقبال مردِ درویش کے لیے شاہین کا استعارہ لیتے ہیں۔ شاہین کو اس کی شانِ بے نیازی، بلند پروازی، تیز نگاہ اور خودداری کے باعث پسند کرتے ہیں۔

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی (13)

شاہین کسی کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ محوِ پرواز پرندے کا شکار کرتا ہے۔ اس لیے اقبال مردِ مومن سے کہتے ہیں کہ تم شاہین ہو اور یہ آب و گل کی دنیا تیرا شکار رہے۔ اسے ترک نہیں کرنا بلکہ شکار کرنا ہے یعنی تسخیر مردِ مومن کی صلاحیت ہے اور پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ شاہین بلند پروازی سے کیوں گریزاں ہے، اپنی طاقت کا اظہار کیوں نہیں کرتا، کوئی چھوٹا سا پرندہ بھی اس

کے پنجے میں نہیں تڑپا۔

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نہ کرد
مرغکے از چنگے او نامد بدرد(14)

بس اپنے آشیانے میں الٹا سیدھا افسردہ پڑا رہا۔ دراصل علامہ اس غفلت کا احساس دلا رہے ہیں کہ آج کا مسلمان مردِ مومن کی صفات ہی پیدا نہیں کر سکا۔ اپنی خودی کو نہیں پہچان سکا اور نہ اس کی تکمیل کی پھر اس میں شاہین کی صفات کیونکر اجاگر ہو سکتی ہیں۔ اس نے تو عالم رنگ و بو پر قناعت کر لی اور آشیانے کو اپنا مدفن بنا لیا جب کہ شاہین کی درویشی تو آشیاں کو خاطر میں نہ لاتی تھی پھر یہ دنیا پر غالب آئے تو کیسے؟ یہ افسردگی تو نظام خانقاہی کی دین تھی۔ اقبال کا فقر اس نظام میں نہیں سماتا۔ رسم شبیری کے تحت باطل سے ٹکرلے کر حق کو سربلند کرنا ہو گا۔ اقبال کا تصورِ فقر قرآن سے رہنمائی لیتا ہے اور کائنات میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ نام نہاد صوفی کا فقر نہیں جو رقص و سرود اور حال و مستی میں مگن، قوتِ عمل سے محروم ہے۔ مردِ مومن کی قوتِ فقر سے صفاتِ خداوندی جلوہ گر ہیں۔ کائنات اس کے تابع ہے۔

مہر و ماہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر(15)

کافر اور مومن کے فقر کا فرق واضح کرتے ہوئے اسلامی فقر کو راہبانیت سے ممیز کرتے ہیں۔ کافر کا فقر تنہائی میں ہے اور مومن کی شانِ فقر کے سامنے بحر و بر کانپتے ہیں۔ کافر پہاڑوں میں آرام و سکون سے بیٹھتا ہے جب کہ مومن شانِ قلندری میں عظیم اہداف کی خاطر موت کو گلے لگا کر جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ ابدی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ کافر جسمانی ضروریات کو ترک کرتا ہے جب کہ مومن اپنی خودی کو مستحکم کر کے فقر کو پروان چڑھاتا ہے۔ کافر خودی کو مٹاتا اور مومن اسے روشن کرتا ہے جب فقر اپنا جلال دکھاتا ہے تو یہی روشنی چاند اور سورج پر ہیبت طاری کر دیتی ہے۔

شانِ فقر معرکہ بدر و حنین میں نظر آتی ہے اور امام حسینؑ کے نعرۂ تکبیر میں اظہار پاتی ہے۔ آج کل فقر کا ذوق و شوق نمو نہیں پاتا۔ اسی باعث مسلمان کی ہیبت باقی نہیں رہی اور وہ غیر قوتوں سے مغلوب ہے۔

اقبال کو آج کے مسلمان پر افسوس ہے جو شانِ فقر سے عاری ہے۔ اس کے ہاتھ میں تیغ ''لا'' نہیں اس نے باطل قوتوں کا مقابلہ نہیں کیا اس لیے اس کی خودی کے امکانات محدود ہو گئے ہیں اور دنیا کی محبت غالب آگئی ہے۔ اسے غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر دنیا سے قطع تعلق کرنا ہو گا۔ اس کا عمل تو اسی دنیا کو تسخیر کرنے کے لیے ہو گا لیکن دل سے دنیا کی محبت نکالنا ہو گی۔ تب دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو سکے گی ورنہ یونہی غیرت و حمیت کے بغیر زندگی بسر کرے گا۔ جو کہ موت سے بدتر ہے۔ مردِ مومن اپنا احتساب کرتا ہے اور اپنی ذات کو نورِ حق سے دیکھتا

ہے۔اپنے اعمال واوراد کو منشاءالٰہی کے مطابق ڈھالتا ہے اور اپنی زندگی کو رسول پاک ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔تب غیرت و حمیت ہاتھ آتی ہے جو شانِ قلندری کی امین ہے۔

اقبال قوم کی اس حالت پر افسردہ ہیں جو امیر و سلطان پیدا کرتی ہے لیکن مردِ درویش پیدا کرنے کے قابل نہیں۔ ملت کی دردانگیز داستان سنانے سے عاجز ہیں کہ گریہ گلوگیر ہے اس لیے بہتر ہے کہ قیامت سینے میں ہی رہے۔

امتِ مسلمہ کی مایوسی کا حال بیان کرتے ہیں کہ اس میں مدتوں سے کوئی مردِ درویش نہیں دیکھا جو دین کی شان کا مظہر ہوتا ہے۔اسی باعث آج کا مسلمان دین سے دور اور اپنے کارواں کا راہزن بن چکا ہے اور اسی باعث قوم فکری پستی کا شکار، مادیت کی طرف راغب، ذوقِ پرواز سے محروم اور پست فطرت ہو گئی ہے۔ کج فکری نے اسے اسفلا فلین میں گرادیا ہے اور قوم فرقہ بازی کا شکار ہے۔اس کی صفوں سے اتحاد ناپید ہے۔

اقبال نے بیسویں صدی میں امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا تھا جب انگریز سامراج پوری دنیا پر قابض تھا لیکن آزادی پا کر بھی قوم کی حالت کچھ مختلف نہیں بلکہ فکری پستی پہلے سے بدتر ہے اور فرقہ بندی دہشت گردی کا روپ اختیار کر چکی ہے۔افسوس کہ قوم نے اقبال جیسے مردِ درویش کے افکار کو رہنمانہ بنایا اور دشمن کے عزائم کی تکمیل کا آلہ کار بن گئی۔ مسلمان قوم تیل کی دولت سے مالا مال ہو یا ایٹمی قوت، ذہنی غلامی سے آزاد نہ ہو سکی۔یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ افرادِ ملت اپنے اندر درویشانہ اوصاف پیدا کر کے قوت ایمان کا مظاہرہ کریں اور سطحی اختلافات کو وجہ نزاع نہ بنائیں ورنہ اقبال کی روح یونہی بے قرار و مضطرب رہے گی۔ مسلمانوں میں احساسِ زیاں باقی نہیں رہا مغربی تہذیب و تمدن اور مادی ترقی کی اندھی دوڑ نے انہیں بے حس، اندھا اور بہرہ بنادیا ہے اب یہ واپس نہیں پلٹ سکتے جب تک انفرادی واجتماعی سطح پر ذوقِ انقلاب سے روشناس نہ ہوں۔اس وقت ملت کو مردِ مومن کی محبت سے فیض یاب ہونے کی ضرورت ہے جو اس کے مردہ جسم میں زندگی کی لہر دوڑادے۔ ملتِ اسلامیہ کی اپنی روح سے بیگانگی اللہ سے دوری کے باعث ہے۔اب اس کی حالت اس غلام کی سی ہے جیسے آقا نے ٹھکرادیا ہو۔اگر اسے خدا سے تعلق استوار کرنے کی فرصت یا ضرورت نہیں تو وہ بھی ایسا آقا ہے جو سب سے بے نیاز ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں۔اس راندگی کے باعث ملت اپنی متاع دین و دنیا کھو بیٹھی ہے۔ قوم کا مذہبی راہنما باتیں تو بایزید بسطامی کے مقام سے کرتا ہے لیکن عملاً فرنگی کا مرید ہے۔اس دور کے مسلمان حکمران بھی فرنگی کے مرید ہیں اور علما حکمرانوں کے ہاتھ بِک گئے ہیں گویا غلامی در غلامی کا جال پھیل چکا ہے اور ملت کے رہنما اسی کو دین کی پیروی قرار دیتے ہوئے ''اولوالامر'' کی خود ساختہ توضیحات کے باعث فریبِ نفس کا شکار ہیں۔ عرفان خودی کی بجائے ترکِ خودی میں زندگی تلاش کرتے ہیں۔اس طرح خودداری اور غیرت و حمیت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ صاحبانِ اختیار کی خوشامد قوم کا ایمان بن گئی ہے، زبان سے کعبہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتی ہے جبکہ عملاً گرجا کا طواف کر رہی ہے۔اس کی تمام تر امیدوں کا مرکز دانشِ فرنگ ہے۔روحانی ضعف و ناتوانی کے باعث ساحر فرنگ اس کا صیاد ہے اور یہ اس کا صید زبوں۔

ذوق و شوق اور سوز و گداز فقر کی شان ہیں لیکن آج کا مسلمان اس سے محروم ہے۔مادی نظام کا پابند، زندگی کی حقیقی روح سے بیگانہ اور سوزِ عشق سے محروم ہے۔اس جامد نظام نے آج کے مسلمان سے فکر و احساس چھین کر اسے مادی آسائشوں کا اس قدر اسیر بنادیا کہ وہ نہیں جانتا اس

نظام نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ وہ از خود رفتہ ہے۔ اس کے باطن میں وہ آتش شوق نہیں جو عشق کا تعلق استوار کرتی ہے۔ اسی باعث یہ جمالِ مصطفیؐ سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ اس کا سینہ سوزِ عشق سے خالی ہوا تو اللہ سے وابستگی کا رشتہ ختم ہو گیا گویا آئینے کا جوہر جاتا رہے تو اسے اپنی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ مسلمان عصر حاضر کی روح کو نہ سمجھ سکا۔ اس کے سیلاب بلا خیز کا مقابلہ تو سیلِ عشق سے ہی ممکن تھا۔ قوتِ عشق ہی زمانے کے اسرار عیاں کر سکتی تھی۔ مسلمان نفع و ضرر میں اُلجھ کر جنونِ عشق سے محروم ہو گیا۔ اس کے دل میں آرزوؤں نے جنم لینا ہی چھوڑ دیا اسی باعث ذوق و شوق سے محروم ہو کر پستی میں جا گرا اور تہذیب حاضر کی ظاہری چمک سے مرعوب ہو گیا۔ اب اسے خود احتسابی کی ضرورت ہے۔ اپنے آپ کو پہچان کر لا الہ کی تیغ ہاتھ میں لے اور ہر خوف کو مٹا دے اپنے مقاصد بلند کرے اور زاغ کی صحبت سے احتراز کرے۔ مسلمان نے خود کو انفرادی و اجتماعی طور پر تقدیر کے حوالے کر دیا ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ سختیاں برداشت کر کے اپنی خود کو مستحکم کر و اور پھر معاملہ تقدیر پر چھوڑ و نفس کی سرکش قوتوں کو اپنے ہاتھ کر و تو یہ طاقت کوہِ گراں کو بھی بہا لے جائے گی۔ اصل مسئلہ انسان کا اپنی ذات کی تسخیر ہے۔ اسے اپنی ذات کا عرفان پا کر کمال انسانیت کی طرف محوِ سفر رہنا ہے یہ ایک مسلسل عمل ہے اس میں کوئی پڑاؤ یا ٹھہراؤ موت کے مترادف ہے۔

ساحل افتادہ گفت، گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم، گر نہ روم نیستم (16)

شاعرانہ آگہی و درویشی اقبال کے نظریات کی جان ہے لیکن تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ تو میں فقر کے نکات اور اس کی باریکیاں بیان کر رہا ہوں اور نہ ہی درویشی کے اسرار سے واقف ہوں۔ درحقیقت اقبال شریعت و طریقت دونوں کا علم و عرفان رکھتے ہیں۔ اس کی مثال ان کے کلام میں مل جاتی ہے۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن بہ اعماقِ حیات (17)

یہ تو شاعر کا طرزِ تکلم ہے جس سے وہ ایک بابصیرت انسان کا معاملہ فاش کرتا ہے کہ بے شک میں کچھ نہیں جانتا لیکن میری نگاہ تیز ہے۔ اگرچہ میری قوتِ عمل خام ہے۔ اس باعث میں منزل کو نہیں پا سکا۔ یعنی بصیرت کے ساتھ ذوق عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ مجھے قدرت نے پُر سوز اور مضطرب دل عطا کر کے میری گرہ کشائی کی ہے۔ لہٰذا اے مسلمان میرے اس سوزِ دروں سے اپنا حصّہ لے لو

میرے بعد کوئی مجھ سا فقیر نہیں آئے گا۔

سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید (18)

واقعتاً یہ مردِ فقیر مذکورہ بالا قطعہ کے کچھ دن بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا اب نہ جانے کتنے زمانے اسی مردِ فقیر کی صدائے بازگشت قرار پائیں کہ اس کے عشق کی تابانی جاوداں ہے۔اس کی آہِ دردناک پُرتاثیر ہے۔وہ ایسا حدی خوان ہے جو ناقۂ بے زمام کو قطار میں رکھنے کے لیے محوِ سرود ہے۔اس مردِ درویش پر اللہ کی خاص عنایات ہیں۔اس کا قلبِ جاری شاعرانہ انداز میں حرکت و عمل پر آمادہ کرتا ہے۔اس کی نوائے پُرسوز دلوں کو گداز کرتی ہے اور اس کی نگاہِ دلنواز مٹی میں سوزِ عشق پیدا کرتی ہے۔

اقبال کا مردِ حُر انسانِ کامل ہے جو خوف و حُزن سے آزاد منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔وہ قوموں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔راستے کے خار اور بادشاہوں کی سطوت و شوکت اس کی گرد راہ ہیں وہ الوالعزم اور ثابت قدم ہے بڑی بڑی طاقتیں اس کی ہیبت سے لرزہ بہ اندام ہوتی ہیں۔اس کا جلال و جمال شانِ خداوندی کا مظہر ہے۔وہ اپنی قوتِ عمل کے باعث روشن ضمیر ہے اور باطل قوتوں کے انکار کے سبب غلام نہیں ہوتا۔وہ سخت کوشش ہے اس کی گرمئ شوق سے راستوں ک نبضیں پھڑکتی ہیں۔نعرہ تکبیر اس کی گفتار ہی نہیں بلکہ عمل سے ہویدا ہے، جو نقش جاوداں کا حامل ہے اس کی موت گویا ہمیشہ کی زندگی ہے جس میں وہ رزق پاتا ہے۔اس کی قوتِ عمل اور استقلال بادشاہوں کو جھکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ان کی ریشمی قبائیں مردِ حر کی سادگی کے سامنے شرمندہ اور خوفزدہ ہیں۔ہم جن چیزوں کو عقل کے باعث جان لیتے ہیں۔اس کی نگاہِ بصیرت ان کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہے وہ زمانے کا مزاج بدلنے کی طاقت دیکھتا ہے۔ہم شرمندگی سے دین کے مرکز سے دور ہیں اور کم قیمت کے عوض اپنا دین بیچ کر غیر سے دوستی کرنے اور اس کے اطوار اپناتے ہیں تاکہ مادی ترقی کر سکیں جبکہ مردِ حُر اس دنیا کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتا ہے۔وہ براہِ راست حضور ﷺ اکرم سے مردِ حُر یاب ہوتا ہے۔اسی باعث وہ اپنا وعدہ ''الست'' نبھاتا ہے۔جو تمام روحوں نے عالم ارواح میں اپنے رب سے کیا تھا لیکن دنیا میں آکر ہر وہ انسان اسے بھول گیا یا نبھا نہ سکا جو اپنی خواہش کا غلام ہے۔لیکن مردِ حُر ہر غلامی سے آزاد ہے۔خواہ نفس کی غلامی ہو یا کسی مقتدر طاقت کی۔اقبال افرادِ ملت کو مردِ حر سے وابستہ رہنے اور اس کے روشن سینے سے سوز و تپش لینے کی تلقین کرتے ہیں۔یہ گرمی نفس ہی حرکت و عمل کا باعث ہے جسے اقبال عشق کا نام دیتے ہیں_____ مردِ مومن کا ادنیٰ ہمارے اعلیٰ سے بہتر ہے۔اس کا سینہ عظمت آدم کا امین ہے وہ خود راقم تقدیر ہے۔مردِ حُر غیر کے سامنے نہیں جھکتا وہ اپنی ملت کے افراد کو خودداری سکھاتا ہے۔

مردِ حُر گردش شام و سحر اور جہانِ رنگ و بو سے بلند و بالا ہے۔ہم لوگ مادی ضروریات میں مصروف ہیں اس لیے موت ہمیں تلخ محسوس ہوتی ہے۔لیکن وہ موت سے ہمکنار ہو کر بقا حاصل کر لیتا ہے۔

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (19)

اس کی زندگی کا سفر موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اہلِ دل ہم جیسوں کی صحبت سے نالاں ہوتے ہیں لیکن مردِ حُر کے فیضان سے پیکر خاکی میں روح کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ ہم ظن و تخمین میں الجھے ہوئے ہیں جبکہ وہ سراپا کردار ہے۔ دین پر عمل پیرا ہے۔ ہم دستِ سوال دراز کرتے ہیں وہ شانِ بے نیازی کا حامل ہے۔ ہم حالات کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں جبکہ وہ پہاڑوں کو ضربِ کلیمی سے چیر دیتا ہے۔ گویا ہم جیسے عام انسان اور مردِ حُر کی زندگی اور انداز فکر و عمل یکسر مختلف ہے۔ اس لیے اقبال افرادِ ملت کو تلقین کرتے ہیں کہ ہم جیسے دنیاداروں سے دور ہو جاؤ مردِ حُر کی صحبت اختیار کرو۔ اگرچہ یہ مشکل ہے لیکن زندگی کا راز اسی امر میں پنہاں ہے پھر تم اس کے فیضِ صحبت کا اعجاز دیکھو گے وہ ایک گہرا اور بے کنار سمندر ہے تیری تشنگی بجھانے کو کافی ہے۔ اس لیے حاجت روائی کو مارے مارے نہ پھر و اور تلخیٔ داروں کا شکوہ نہ کرو کہ یہی تمہیں مردِ حر تک لے جائے گی۔ وہ مردِ آزاد عشقِ الٰہی سے بہرہ ور ہے۔ اس کے سامنے پہاڑ کی مضبوطی ریگ صحرا میں ڈھل جاتی ہے۔ وہ جلال و جمال خداوندی کا آئینہ، امن کی جان اور جنگ میں شائقِ شہادت ہے۔ انھی اوصاف کی بنا پر وہ نجات دہندہ ہے۔ اس کا دامن تھام کر دنیاوی الجھنوں اور مادیت سے نجات ملتی ہے۔ یہ آب و گل کی دنیا دل کی زندگی سے بے خبر ہے۔ دل کی پرورش تو مردِ حُر کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ لہٰذا اگر زندہ رہنا ہے تو مردِ آزاد کی تلاش ضروری ہے ورنہ دنیا کا سیلاب تمھیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ شخصیت کا جوہر اس کی صحبت کے بغیر نہیں کھلتا ہے اور زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ یہ مردِ کامل اس زمانے کا ہی نہیں بلکہ اللہ کا بھی راز ہے۔ وہی اس پُرآشوب دور کا نجات دہندہ ہے۔ اقبال اس کے منتظر ہیں:

اے سوار اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدہ امکاں بیا
رونقِ ہنگامہ ہا آباد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح (20)

یہی انسان کامل اکیسویں صدی میں انسانیت کی مسیحائی کر سکتا ہے جو سامراجی طرزِ فکر کا خاتمہ کر کے دنیا کو عدل وانصاف فراہم کرے۔

دنیا کو ہے مہدئ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار(21)

حوالہ جات

[1] ۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، لاہور: 1976، ص ۲۱۵

[2] ۔ عابد علی عابد، سیّد، شعرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۳ء، ص ۲۷۱

[3] ۔ حسن اختر ملک، ڈاکٹر، اطرافِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۵

[4] ۔ محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، اقبال اور محبتِ رسولؐ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص ۸۷

[5] ۔ وقار عظیم، سیّد، اقبال شاعر اور فلسفی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۹

[6] ۔ اقبالؒ، بالِ جبریل، لاہور: غلام علی پبلشرز، ۱۹۷۵ء، ص ۶۸

[7] ۔ اقبالؒ، بانگِ درا، لاہور: غلام علی پبلشرز، ۱۹۷۴ء، ص ۲۵۹

[8] ۔ ایضاً، ص ۲۷۰

[9] ۔ اقبالؒ، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر، لاہور: غلام علی پبلشرز، ۱۹۷۲ء، ص ۲۴

[10] ۔ بالِ جبریل، ایضاً، ص ۵۷

[11] ۔ بانگِ درا، ایضاً، ص، ۲۵۲

[12] ۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر، ایضاً، ص ۲۸

[13] ۔ بالِ جبریل، ایضاً، ص ۱۴

[14] ۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر، ایضاً، ص ۲۶

[15] ۔ اقبالؒ، ضربِ کلیم، لاہور: غلام علی پبلشرز، ۱۹۷۶ء، ص ۴۱

[16] ۔ اقبالؒ، پیامِ مشرق، لاہور: غلام علی پبلشرز، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۸

[17] ۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر، ایضاً، ص ۴۰

[18] ۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اسد پبلی کیشنز، س،ن، ص ۸۹۴/۱۲

[19] ۔ بالِ جبریل، ایضاً، ص ۹۴

[20] ۔ اقبال، اسرار ورموز، لاہور: غلام علی پبلشرز، 1976، ص 46

21۔ ضربِ کلیم، ایضاً، ص ۴۴

References

1. Yousaf Hussain Khan,Dr,Roh e Iqbal,Lahoor: 1976,P 215
2. Abid ali Abid ,sayyed,shair e Iqbal,Lahore : bazme Iqbal,1993,P 271
3. Hsssan Akhter malik,dr, Itraf e Iqbal,Lahore: bazme Iqbal,1992, P 195
4. Muhammad Tahir Farooqi,dr,Iqbal aur Muhabat e Rasool,Lahore: Iqbal academy Pakistan,1995U,P78
5. Waqar Azeem,sayyed, Iqbal shair aurr fasfi, Lahoor:Iqbal akadmi Pakistan, 1997, P 199
6. Iqbal , Bale jabreel, Lahore: ghulam Ali publication, 1975, p 68
7. Iqbal, Bang e dra, Lahore: ghulam ali publication, 1974, p 259
8. Ibid, p 27
9. Iqbal, pes cheh baid krd aay iqwam e shraq maa musafer, Lahore: Ghulam ali publication, 1972, P 24
10. Bal e jibreel, ibid, P 58
11. Bang e dra, ibid, p252
12. pes cheh baid krd aay iqwam e shraq maa musafer, ibid, p28
13. Bal e jibreel, ibid, P 14
14. pes cheh baid krd aay iqwam e shraq maa musafer, ibid, p26
15. Iqbal, Zarb e kaleem, Lahore: Ghulam ali publishers,1976, P 41
16. Iqbal, piam e mashriq, Lahore: Ghulam ali Publishers, 1983, P 128
17. pes cheh baid krd aay iqwam e shraq maa musafer, ibid, p40
18. Allma Muhammmad Iqbal, Kuliat Iqbal, Farsi, Lahore: asad publications, s.n P 12/894
19. Bal e jibreel, ibid, P 94
20. Iqbal, asrar o ramooz,Lahore:Ghulam ali publication, 1976,P 46
21. Zarb e kaleem, ibid,p 44